مقالات

دلائل السنن و الآثار

از جناب مولوی نجم الدین صاحب اصلاحی

سنن و آثار نبوی کی تشریعی حیثیت

اب تک جو کچھ لکھا گیا وہ تمام تر اس سوال سے متعلق تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے جو روایات ہم تک پہنچی ہیں وہ کس حد تک قابلِ اعتبار ہیں اور ائمہ حدیث نے جو طریقے احادیث کی تحقیق و تنقید کے لیے اختیار کیے وہ کیا تھے اور کیسے تھے۔ اب ہم اس سوال سے بحث کرینگے کہ شریعت میں حدیث کی کیا حیثیت ہے، یا بالفاظ دیگر یہ کہ احادیث حجت شرعی ہیں یا نہیں۔ اگرچہ گذشتہ بحثوں میں بھی ضمناً اس سوال پر بہت کچھ روشنی پڑ چکی ہے مگر یہ مبحث ایک مستقل بحث چاہتا ہے۔

احادیث نبویہ کی شرعی حیثیت کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو آج اس دور میں پہلی مرتبہ زیر بحث آئی ہو، بلکہ متقدمین کے دور میں بھی اس پر شکوک و شبہات وارد کیے جاچکے ہیں اور ابتدائی دور کے ائمہ ہی ان شکوک و شبہات کا قلع قمع بھی کر چکے ہیں۔ سب سے پہلے جس کتاب میں اس بحث کا سراغ ملتا ہے وہ حضرت امام شافعی کی کتاب الاُمّ ہے۔ اس میں امام صاحب نے شبہات بھی نقل کیے ہیں اور ان میں سے ایک ایک کی تردید بھی نہایت مضبوط دلائل کے ساتھ کی ہے۔ بعد کے اکابر علما میں سے امام شاطبی صاحب موافقات اور علامہ ابن قیمؒ اور حضرت شاہ ولی اللہؒ صاحب نے اس مسئلہ پر ایسی فیصلہ کن بحثیں کی ہیں کہ اگر معترضین علم اور انصاف کی نعمت سے سرفراز کیے گئے ہوتے اور انہوں نے یہ بحثیں پڑھی ہوتیں تو آج وہ زبان

کھولنے کی جرآت ہی نہ کرتے۔

قرآن حکیم، اصل دین، شریعت اور قانون ہے۔ اس امر میں کوئی مسلمان شبہ نہیں کرسکتا لیکن اس سے بھی کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ یہ کتاب معانی اور حکمتوں کا ایک بے پایاں سمندر ہے۔ ایک طرف تو اسکی سادگی کا یہ عالم ہے کہ عرب کے ان پڑھ بدو تک اس کو سن کر اسکا سیدھا سادہ مطلب سمجھ جاتے تھے۔ اور دوسری طرف اسکی پُرکاری کا یہ حال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خواص صحابہ جو اعلیٰ درجہ کی فہم و فراست رکھتے اور اسلام کے زندہ نمونہ کو دن رات دیکھتے تھے، ان کو بھی ایک ایک سورۃ کے مطالب پر برسوں غور کرنے کے بعد اعتراف کرنا پڑتا تھا کہ وہ اس سمندر کے احاطہ سے عاجز ہیں سطح سے دیکھو تو ایک نظر میں سب کچھ دیکھ سکتے ہو، مگر تفصیل کے ساتھ اسکی گہرائیوں کو ناپنا چاہو تو جسقدر گہرائی میں جاؤ گے اس سے آگے اور زیادہ گہرائیاں ملتی چلی جائینگی —— یہ اس خدائے بزرگ و برتر کا کلام ہے جس کا علم تمام کائنات کے ظاہر و باطن پر حاوی اور تمام حقیقتوں پر محیط ہے۔ اسی بنا پر لوگ اس کے مطالب کو سمجھنے کے لیے ایک ایسے معلم کے محتاج تھے جس کو خود اللہ تعالیٰ ہی نے اپنے کلام کی ساری گہرائیوں سے واقف کیا ہو۔ اگر ایسا معلم موجود نہ ہوتا تو لوگ اس کتاب کے مطالب و مقاصد متعین کرنے میں نہ معلوم کس قدر بھٹکتے اور یضل بہ کثیرًا ویھدی بہ کثیرًا کے مصداق اپنے ذہن کی جولانیاں دکھاتے ہوئے کہاں سے کہاں نکل جاتے۔ علاوہ بریں لوگ اس بات کے بھی محتاج تھے کہ شریعت کے جو احکام اس کتاب میں اجمال کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں ان کی تفصیل معلوم کرنے کا کوئی مستند و معتبر ذریعہ ان کے پاس ہو، اور کوئی ایسا ہو جو انہیں تفصیلی صورت میں یہ بتائے کہ یہ کتاب انسان کی زندگی کو کس نقشہ پر مرتب کرنا اور کس ڈھنگ پر چلانا چاہتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس علم کا ذریعہ اس پیغمبر کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہوسکتا تھا جس کے ذریعہ سے خدا نے اپنی یہ کتاب ہمارے پاس بھیجی۔

آنحضرت صلعم نے بلا واسطہ ذات باری سے تعلیم پا کر اعلان فرمایا کہ "عُلِّمت علم الاولین والآخرین"۔ یہ کیا چیز تھی؟ یہ صرف قرآن حکیم کا علم تھا۔ الٰہی اسرار و حِکم کی واقفیت تھی۔ نہ کچھ اور۔ کلام الٰہی کی رفعت معنوی و لفظی کا خیال کرو تو کوئی ذات ایسی نہیں ہوسکتی جو منشار الٰہی کو قطعی طور پر متعین کر سکے، بجز اُن نفوس قدسیہ کے جن کو اللہ نے خود ہی اپنے کلام کا پورا علم بخشا ہو، یعنی انبیاء علیہم السلام۔ اسی لیے کلام الٰہی کی تعلیم، تشریح اور تبیین کا حق انہی حضرات منعم علیہم کو پہونچتا ہے اور انہی کی تشریح مستند و معتبر ہے۔ اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ الخ وغیرہ آیات سے اسی جانب اشارہ ہے

انبیاء علیہم السلام کو کتاب الٰہی کا اگر پورا پورا علم نہ دیا جائے تو پھر منصب رسالت اور تبلیغ و تعلیم وغیرہ کے الفاظ بالکل بے معنی ہو جاتے ہیں، حالانکہ واقعہ اسکے خلاف ہے۔ یقیناً یہ حضرات بارگاہ رب العزت کے اول شاگرد تھے ہیں اور بلاکسی جزئی اختلاف کے پورے کلام کو عملاً برت کر اور قولاً سمجھا کر اپنے فرض منصبی سے سبکدوش ہوتے ہیں۔ ان کے سپرد صرف یہی خدمت نہیں کی جاتی کہ کتاب کے الفاظ کو خدا سے لے کر بندوں تک پہنچا دیں، بلکہ ان کے فرائض کا دائرہ اس سے بہت زیادہ وسیع ہوتا ہے۔ چنانچہ سورۂ جمعہ میں ارشاد ہے :-

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا	اللہ کی پاکی بیان کر رہی ہیں وہ سب چیزیں جو آسمانوں
فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ	اور زمین میں ہیں۔ وہ بادشاہ پاک ذات زبردست
الْحَكِيْمِ۔ هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ	حکمت والا ہے۔ وہی ہے جس نے اٹھایا ان پڑھوں میں
رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ	ایک رسول انھیں میں سے جو سناتا ہے انکو اسکی آیات اور
يُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ	سنوارتا ہے ان کو اور سکھاتا ہے کتاب اور حکمت۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے پہلے اپنی چار صفتیں بیان کی ہیں اور پھر رسول بھیجنے کا ذکر کر کے اس رسول کی بھی چار صفتوں کا ذکر کیا ہے۔ ایک طالب نظم جب خدا اور رسول کی ان چار صفات

پر غور کرتا ہے تو اس پر یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ ضرور ان میں باہم گہرا رابطہ اور تعلق ہے۔ اب ترتیب کے ساتھ ان صفات کا موازنہ و مقابلہ کرو۔

(۱) "الملک"۔ خدا بادشاہ ہے اور مخلوق اسکی رعایا۔ بادشاہی کی صفت کا اقتضاء یہ ہے کہ وہ رعایا کے پاس اپنا ایجنٹ بھیجے اور اس کے ذریعہ سے رعایا کو اپنی مرضی سے مطلع کرے۔ چنانچہ پیغمبر کی پہلی صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ یتلوا علیھم ایاتہٖ، یعنی وہ اللہ کی آیات پڑھ کر سناتا ہے۔ آیت کا لفظ کئی معنوں میں مستعمل ہے۔ یہاں اللہ کے احکام اور اسکی ہدایات کو آیات کہا گیا ہے، اسلیے تبلیغ آیات اور تلاوت آیات دونوں کا ایک مفہوم ہوا۔

(۲) "القدوس"۔ خدا پاک ہے۔ اسکی اس صفت کا اقتضاء یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کو بھی پاک دیکھنا چاہتا ہے۔ اگر انسان پاک نہ ہوگا تو انسان میں اور خدا میں بُعد ہوگا۔ یہاں یہ نکتہ بھی پیش نظر رکھنا چاہیے کہ اللہ جو ہمیں پاک دیکھنا چاہتا ہے تو اسکی صورت اس نے یہ اختیار نہیں کی کہ ہمیں فرشتوں کی طرح پاک پیدا کرتا اور ہم کو ناپاک ہونے کی قدرت ہی نہ دیتا۔ بلکہ اس نے ہمارے لیے پاکی اور ناپاکی، دونوں کے امکانات رکھے، اور دونوں راہیں ہمارے لیے کھول دیں، اور دونوں میلانات ہم میں پیدا کیے اور ہم میں عقل اور قوت ارادی اور قوتِ فیصلہ رکھ دی کہ خود ان راہوں میں سے ایک کو اختیار کریں، اور اسی امتحان میں کامیاب یا ناکام ہونے پر ہمارے انجام کا انحصار رکھا۔ قرآن میں مختلف مقامات پر اسکی تصریح ہے مثلاً بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِہٖ بَصِیْرَۃٌ اور فَاَلْھَمَھَا فُجُوْرَھَا وَتَقْوٰھَا اور وَھَدَیْنٰہُ النَّجْدَیْنِ۔ اب پیغمبر کا وہ کام جس کو قرآن لفظ تزکیہ (پاک کرنے) سے تعبیر کرتا ہے، یہ ہے کہ وہ ہمارے خیالات کی اصلاح کرتا ہے، ہمارے ادراکات کو صحیح کرتا ہے اور ہمارے سامنے ایک پاک زندگی کا نمونہ پیش کرتا ہے جو اصلاح اخلاق و اعمال کا سب سے زیادہ مؤثر ذریعہ ہے۔

(۳) "العزیز"۔ عربی میں عزت کے معنی ایسی قوت وطاقت کے ہیں جو مغلوبیت میں مانع ہو۔ اسی سے "عزیز" ہے، یعنی ایسی ذات جس پر غیر کی دست رس نہ ہو سکے اور جو غالب وقاہر ہو نہ کہ مغلوب ومقہور۔ ترتیب کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کی اس صفت کے مقابلہ میں رسول کی جو صفت بیان کی گئی ہے وہ یعلمھم الکتاب ہے، یعنی یہ کہ رسول کتاب کی تعلیم دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جب عزت والا اور غالب ہے اور مخلوق اسکے مقابلہ میں ذلیل اور مغلوب ہے، تو ظاہر ہے کہ مخلوق میں اللہ کا قانون ہی جاری ہونا چاہیے؛ اور محکوموں کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ حاکم اعلیٰ کی اطاعت وہ کس طرح بجالائیں۔ اس غرض کے لیے صرف تلاوتِ آیات، یعنی محض احکام سنا دینا ہی کافی نہیں ہے بلکہ ان احکام کو سمجھانا، ان کا موقع ومحل بتانا، ان کے مقاصد اور انکی روح سے آگاہ کرنا مشکلات کو رفع کرنا اور شکوک کو صاف کرنا بھی ضروری ہے۔ اسی لیے رسول کی صفات میں سے تیسری صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ اللہ کی کتاب کا معلّم ہے۔

(۴) "الحکیم"۔ اللہ تعالیٰ حکمت والا ہے اور اسکی حکمت کا مقتضا یہ ہے کہ انسان کو بھی حکمت، دانائی اور بصیرت سے متصف دیکھے۔ وہ قانون کی محض اندھی پیروی نہیں کرانا چاہتا بلکہ یہ چاہتا ہے کہ اسکی رعایا اسکے قانون میں بصیرت حاصل کرے اور علم وحکمت اور معرفت وبصیرت کے ساتھ قانون کی پیروی کرے۔ اسی لیے پیغمبر کی آخری صفت یہ بیان کی گئی کہ وہ لوگوں کو حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ پیغمبر کا کام محض کتاب کو پہنچا دینا نہیں ہے بلکہ کتاب کے مطالب ومقاصد کی تشریح وتوضیح کرنا، اور لوگوں کی زندگی کو سنوارنا اور انہیں حکمت سکھانا بھی ہے۔ یہ کتاب اللہ کا ایسا ضمیمہ ہے جو اس سے کسی حال میں جدا نہیں کیا جاسکتا ہے اور یہی ضمیمہ ہم کو سنت میں ملتا ہے۔ دوسرے مقامات پر قرآن میں ارشاد ہوا ہے:۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا	اور کوئی رسول نہیں بھیجا ہم نے مگر وہ جو اپنی قوم کی
بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ (سورہ ابراہیم)	زبان بولتا ہو تاکہ ان کو سمجھائے ،
وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ	اور اتاری ہم نے تجھ پر یہ یاد داشت کہ تو توضیح کرے لوگوں کے
لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ	سامنے اس ہدایت کی جو اتاری گئی ہے انکے واسطے
يَتَفَكَّرُوْنَ (سورہ النحل)	تاکہ غور کریں ،

آیات مذکور کی تشریح یہ ہے کہ جس طرح اللہ تبارک و تعالیٰ نے لوگوں کی ہدایت کیلئے قرآن علیم عنایت فرمایا ہے اسی طرح پہلے بھی وہ ہر زمانہ میں ایسا ہی سامان ہدایت بہم پہونچاتا رہا ہے - اور طبعی ترتیب کے موافق ہر پیغمبر کے اولین مخاطب اسی قوم کے لوگ ہوتے ہیں جس میں سے وہ پیغمبر اٹھایا جاتا ہے ، اس لیے اسی قوم کی زبان میں وحی بھیجی جاتی ہے تاکہ وہ احکام الٰہیہ کو کتاب سے اور پیغمبر کی تفہیم و توضیح سے اچھی طرح ذہن نشین کرلیں اور دوسرے لوگوں کو سمجھانے کے قابل ہو جائیں ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ تمام دنیا کے لیے نبی بنائے گئے تھے لیکن آپ کے لیے بھی وہی طریقہ پسند کیا گیا جو پہلے انبیاء کے لیے تھا - یعنی یہ کہ پہلے آپ کے اولین مخاطب اور مقدم ترین شاگرد اچھی طرح سے قرآنی تعلیمات و حقائق کو سمجھ لیں اور قرآن کے مطابق زندگی بسر کرنیکا طریقہ سیکھ لیں ، پھر ان کے ذریعہ سے یہ علم تمام اقوام عالم اور آنے والی نسلوں تک پہنچے -

پس احکام و اخلاق وغیرہ کے متعلق سنن و آثار نبوی میں جو کچھ ہے وہ تمام تر قرآنی احکام کی تشریح و تفصیل ہی ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فرائض نبوت کے سلسلہ میں فرمائی اور آپ کی زندگی اور آپ کے طریق عبادت اور آپ کے معاملات کے متعلق جو تفصیلات ہیں وہ بھی منصب نبوت ہی کے فرائض سے تعلق رکھتی ہیں - ان میں سے کسی چیز کو بھی قرآن سے الگ نہیں کیا جاسکتا بلکہ یہ سب چیزیں دراصل قرآن کا عملی مظاہرہ ہیں - نبی صلی اللہ علیہ وسلم کبھی قرآن مجید کے مطالب و مقاصد کو صرف

صرف قول سے، کبھی صرف فعل سے، اور کبھی ایک ساتھ قول وفعل دونوں کے ذریعہ سے بیان فرمایا کرتے تھے۔ مثلاً آپ نے نماز ادا فرمائی اور فرمایا، صلوا کما رأیتمونی اصلی۔ "اس طرح نماز پڑھو جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو"۔ یا مثلاً آپ نے حج ادا کیا اور فرمایا خذوا عنی مناسککم "مجھسے اپنے حج کے ارکان سیکھ لو"۔ اس لحاظ سے آپ قرآن مجید کے شارح ہیں آپ قرآن مجید کی مجمل آیتوں کی تشریح کرتے ہیں، اسکی مطلق آیتوں کو مقید فرماتے ہیں، اور اسکی مشکل آیات کی تفسیر کرتے ہیں۔ اور اس حیثیت سے حدیث میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جسکے مفہوم پر قرآن مجید نے اجمالاً یا تفصیلاً دلالت نہ کی ہو۔ البتہ اس دلالت کے مختلف طریقے ہیں جسکو ہم انشاء اللہ العزیز کسی دوسرے موقع پر مفصل بیان کرینگے۔ یہاں صرف اتنا اشارہ کافی ہے کہ احادیث نبوی قرآن مجید کے ساتھ دو قسم کا تعلق رکھتی ہیں۔ ایک تو وہ جن میں رسول اللہ صلعم نے بعینہ قرآن مجید کی آیات کا اتباع کیا ہے دوسری وہ ہیں جن میں آپنے مجملات قرآنیہ کی تشریح کی ہے، اور یہ واضح کیا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے ان کو کیونکر فرض کیا ہے؟ وہ عام ہیں یا خاص؟ اور بندوں کو ان پر کیونکر عمل کرنا چاہیے؟ لیکن ان دونوں صورتوں میں آپنے کلام الٰہی کی پیروی کی ہے[1] پس یہ امر ناقابل انکار ہے کہ شرع اسلامی کے اصول اور احکام معلوم کرنے کا پہلا ذریعہ قرآن ہے اور دوسرا ذریعہ حدیث۔

آنحضرت صلعم کی ساری زندگی قرآن کی تشریح تھی۔ نبی ہونے کے بعد سے ۲۳ سال کی مدت تک آپ ہر وقت تعلیم اور ہدایت میں مشغول رہا کیے۔ صحابی مرد اور صحابیہ عورتیں ہر بات کو غور سے سنتے اور ہر کام پر دھیان رکھتے تھے اور جو کچھ دیکھتے یا سنتے تھے اسے ان لوگوں تک پہنچاتے تھے جن کو دیکھنے یا سننے کا موقع نہ ملا تھا۔ یہی روایات ہیں جن کو آج سنن وآثار اور احادیث واخبار کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، جن میں عبادت کے طریقے، معاشرت کے اصول، باہمی معاملات اور تعلقات کے

[1] تاریخ فقہ اسلامی خضری

قوانین، حرام اور حلال، جائز اور ناجائز کے حدود، اور اخلاق وغیرہ کی تفصیلات پائی جاتی ہیں)۔ بیشک جس چیز کا نام "دین" ہے وہ تو قرآن میں موجود ہے اور اسکے لیے ہم بڑی حد تک کسی دوسری چیز کے محتاج نہیں ہیں، لیکن جس چیز کا نام "شریعت" ہے، یعنی طریق عبادت کی تفصیلات معاشرت کے اصول، باہمی معاملات کے قوانین اور حرام و حلال کے حدود، سو وہ قرآن میں بہت کم ملتی ہیں اور انکے لیے کوئی ذریعۂ علم حدیث کے سوا نہیں ہے۔ ان کو قرآن میں اسی لیے مجمل رکھا گیا ہے کہ ان کی تفصیل کرنا اس ہادی برحق کا کام تھا جو خدا کی طرف سے قرآن لایا تھا۔ آپ چاہیں تو کہدیجیے کہ حدیث میں جو تاریخی واقعات مذکور ہیں ان کی ہم کو ضرورت نہیں۔ آپ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ حدیث میں عقائد کا جو ذکر ہے اس کے ہم محتاج نہیں۔ لیکن احکام اور اخلاق کے بارے میں حدیث کی رہنمائی سے بے نیاز ہونے کا دعویٰ آپ نہیں کر سکتے۔ کیونکہ عمل کے لیے جن تفصیلات کی ضرورت ہے وہ آپ کو قرآن میں نہیں مل سکتیں، اور جو مجمل ہدایات قرآن میں ملتی ہیں انکی تفصیل و تشریح اگر ہر شخص کی مرضی پر چھوڑ دی جائے تو اسلامی زندگی کا سارا شیرازہ بکھر کر رہ جائے۔ جن لوگوں نے حدیث سے بے نیاز ہو کر صرف قرآن سے احکام نکالنے کا ارادہ کیا وہ آج تک اس امر پر بھی متفق نہ ہو سکے کہ نماز کے اوقات کیا ہیں اور کتنے وقت کی نماز فرض ہے۔ جب اسلام کے پہلے اور اہم ترین رکن کے بارے میں انکی حیرانی و سرگردانی کا یہ عالم ہے تو دوسرے امور کا جو کچھ حال ہو سکتا ہے، اور ہوا ہے اس کا اندازہ آسانی کے ساتھ کیا جا سکتا ہے۔

حدیث کے بارے میں صحابہ کا طرز عمل

اس سلسلہ میں ایک سوال یہ بھی ہے کہ کیا صحابۂ کرام حدیث کو حجت شرعی سمجھتے تھے اور اس سے شرعی مسائل میں استدلال کرتے تھے؟ اس سوال کے متعلق اتنا مواد کتب معتبرہ کے اندر موجود ہے کہ شاید ہی کسی اور علمی و مذہبی مسئلہ کے متعلق ہو، "گر نویسم شرح این بیحد شود"۔ علامہ عبداللہ محمد بن فرج المالکی قرطبیؒ نے ایک کتاب "اقضیۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم"

کے نام سے تصنیف کی ہے جو خاص طور پر قابلِ مطالعہ ہے۔ میرے علم میں یہ کتاب اپنے انداز کی واحد کتاب ہے۔ علامہ موصوف نے کتاب کو ۴۰ ابواب کے تحت اس خوبی سے مرتب کیا ہے کہ آنحضرت صلعم کے فیصلہ جات قریب قریب تمام اکٹھے ہو گئے ہیں۔ اسی طرح علامہ ابنِ قیمؒ نے "اعلام الموقعین عن رب العالمین" میں ایک فصل بعنوان فتاوٰی امام المفتین ورسول رب العالمین قائم کر کے داد تحقیق دی ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب کی کتاب ازالتہ الخفاء وحجتہ اللہ البالغہ میں تو سوال مذکور کا جواب پوری تحقیق و تفصیل سے موجود ہے۔ کتاب ازالہ میں حضرت شاہ صاحبؒ نے "توسط فاروق اعظم در تبلیغ حدیث" کے عنوان سے بڑی نادر بحث فرمائی ہے جس سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم احادیث نبوی کی مذہبی وشرعی حیثیت کے قائل تھے۔ حافظ حدیث علامہ ابن جوزیؒ جو روایات کی تنقید میں نہایت متشدد مشہور ہیں، ان کی ایک کتاب "تلقیح فہوم اہل الاثر فی عیون التاریخ والسیر" ہے جسکے حوالے ہم نقل کر آئے ہیں۔ اس کتاب میں انھوں نے "باب عدد الاحادیث المرویة عن رسول اللہ صلعم" منعقد فرما کر صحابہ کرام میں سے ایک ایک شخص کے متعلق تفصیل کے ساتھ بتایا ہے کہ کس کس سے کتنی کتنی احادیث مروی ہیں۔ ابواب کی تقسیم اس طرز پر کی ہے کہ جن سے ہزاروں حدیثیں مروی ہیں وہ "اصحاب الالوف" کے عنوان سے ایک باب میں جمع کیے گئے ہیں۔ پھر "اصحاب الالف" (ہزار حدیثوں والے) پھر "اصحاب المئین" (دو سو حدیثوں والے) پھر "اصحاب المأة" (سو حدیثوں والے) پھر "اصحاب العشرات" وغیرہ جن لوگوں نے حضرات ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کو روایت حدیث کا مخالف مشہور کیا ہے، جب وہ اس مرقع میں ان حضرات کو اصحاب المئین وغیرہ میں دیکھیں گے تو کیا تاویل کرینگے؟ یہی نا کہ یہ تاریخی چیز ہے لہذا غلط ہے یا اور کوئی بات؟ سچ ہے ؏ خرد کا نام جنوں پڑ گیا جنوں کا خرد۔

سونچو یہ ابنِ جوزیؒ کی تصریح ہے ابنِ حجرؒ جیسے روایت پرست کی نہیں ہے۔ کیا تاریخ کے

تمام مستند بیانات کو تم یونہی جھٹلاتے چلے جاؤ گے؟ اگر ساری تاریخ غلط ہے تو پھر تمہارے اس بیان کی کونسی سند ہے کہ حضرات ابوبکر و عمر روایت حدیث کے مخالف تھے؟

امام المحدثین و قدوۃ المجتہدین حضرت امام بخاریؒ کی کتاب دیکھیے تو آپ کی آنکھیں کھل جائیں کہ خداداد فہم و بصیرۃ سے امام موصوف نے کام لیکر سنن و آثار نبوی کی شرعی و مذہبی حیثیت کو نمایاں کیا ہے چنانچہ یہ مسئلہ کہ خبر واحد سے استدلال صحیح ہے یا نہیں، امام رحمتہ اللہ علیہ نے اسکے لیے باب بایں تعمیم منعقد فرمایا کہ "باب ما جاء فی اجازۃ خبر الواحد الصدوق فی الاذان و الصلوۃ و الصوم و الفرائض و الاحکام" یعنی "اب اس امر کے ثبوت ہیں کہ اذان اور نماز اور روزہ اور فرائض احکام کے معاملہ میں ایک سچے آدمی کی خبر قبول کی جاسکتی ہے"۔ پھر اس عنوان کے تحت قرآن سے استدلال کرنے کے بعد انہوں نے کثرت سے ایسی احادیث نبوی پیش کی ہیں جو فرداً فرداً تو خبر واحد ہیں لیکن معنی کے اعتبار سے متواتر کے حکم میں آجاتی ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے اور کئی ابواب منعقد کیے ہیں جو اس کی تائید کرتے ہیں، مثلاً "باب بعث النبی صلعم الزبیر طلیعۃ وحدہ" (نبی صلعم کا حضرت زبیر کو تنہا دشمن کی خبر لانے کے لیے بھیجنا)۔ پھر تیسرا باب "لا تدخلوا بیوت النبی الا ان یوذن لکم فاذا اذن لہ واحد جاز" (نبی کے گھر میں بلا اجازت داخل نہ ہونا لیکن اجازت کے لیے ایک آدمی کا بیان کافی ہونا)۔ پھر چوتھا باب یہ ہے "باب ما کان یبعث النبی صلعم من الامراء و الرسل واحدا بعد واحد" (نبی صلعم اپنی طرف سے امیر اور قاصد ایک ایک کر کے بھیجتے تھے)۔ آخر میں ایک باب ہے "خبر المراۃ الواحدۃ" یعنی "ایک عورت کی خبر"۔ اس باب کے تحت میں انہوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ احکام کے متعلق ایک عورت کی اطلاع بھی معتبر ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی چند ابواب میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے، مثلاً باب "ہل یجوز للحاکم ان یبعث رجلا واحدا و ہل یجوز ترجمان واحد" (کیا حاکم کے لیے ایک شخص کو تنہا کسی خدمت پر بھیجنا جائز ہے اور کیا ایک ترجمان لائق اعتبار ہے)۔ ان تمام ابواب پر غور کرو تو مسئلہ زیر بحث

اس طرح صاف ہو جاتا ہے کہ خبر واحد کے قابل قبول ہونے میں کوئی شک باقی نہیں رہ جاتا۔ اسی لیے علماء اصول کو قاطبۃً لکھنا پڑا، "ومن الاجماع باجماع الصحابۃ والتابعین علی الاستدلال بخبر الواحد وشاع ذٰلک وذاع ولم ینکرہ احد ولو انکرہ منکر لنقل الینا وذٰلک یوجب العلم العادی باتفاقھم کالقول الصریح قال ابن دقیق العید ومن تتبع اخبار النبی صلعم والصحابۃ والتابعین جمہور الامۃ مما عدا ھذہ الفرقۃ الیسیرۃ علم ذٰلک قطعاً" یعنی صحابہ اور تابعین نے بالاتفاق خبر واحد کو قابلِ استدلال ٹھیرایا ہے اور یہ بات ان میں عام طور پر شائع و ذائع تھی اور کسی ایک نے بھی اس سے اختلاف نہیں کیا۔ اگر کوئی اختلاف کرتا تو ہم تک اس کی اطلاع ضرور پہنچتی۔

یہ بات مسلمات میں سے ہے کہ خلیفہ وقت کو جس قدر دینی و مذہبی معلومات درکار ہیں وہ اور کسی کو نہیں، اسلیے کہ خلیفہ کے فرائض میں عبادات کی تعلیم، احکام کا اجراء، مقدمات کا تصفیہ، فتوی کا انتظام، مال گذاری اور لگان کی تشخیص، ٹیکسوں کی تعیین، وغیرہ سب امور داخل ہیں، اور ان معاملات میں اس کو ہر ہر قدم پر یہ معلوم کرنے کی ضرورت ہوتی ہے کہ اسلام کا قانون کیا ہے اگر خلفاء راشدین ان تمام امور میں اپنے آپ کو یا کسی مجلس قانون ساز کو اس کا اہل سمجھتے کہ سارے قوانین خود وضع کرلیں تو معلوم ہو جاتا کہ اسلام کا طریقہ یہی ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ انہوں نے ایسا نہیں کیا، بلکہ جو معاملہ بھی پیش آیا اس میں پہلے کتاب اللہ کی طرف رجوع کیا، اور جب وہاں کوئی واضح حکم نہ ملا تو یہ دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کے معاملہ میں کیا فیصلہ فرمایا ہے۔ حضرت ابوبکر کے عہد میں جب کوئی شرعی مسئلہ درپیش ہوتا تو صحابہ کو جمع کرکے ان کے سامنے وہ مسئلہ پیش کیا جاتا اور ایک ایک سے پوچھا جاتا کہ کسی کو اس بارے میں کوئی قول وفعل یا تقریر

دربار رسالت کی معلوم ہے؟ امام عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمیؒ نے اس کی کیفیت مفصل بیان کی ہے جسے ہم یہاں نقل کرتے ہیں تاکہ احادیث نبوی کی نوعیتِ شرعی اور صحابہ کی کمال درجہ احتیاط کا اندازہ ہو جائے۔

"میمون بن مہران کہتے ہیں کہ ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ خلافت میں جب کوئی مقدمہ پیش ہوتا تو ابوبکرؓ پہلے قرآن میں تلاش کرتے۔ وہاں اس کا حکم مل جاتا تو فیصلہ دیدیتے۔ اگر قرآن سے فیصلہ نہ ملتا تو اپنی معلومات احادیث میں غور کرتے۔ اگر رسول اللہ صلعم کا فیصلہ مل جاتا تو اس پر حکم نافذ کردیتے۔ اگر اس میں بھی قاصر رہتے تو عام طور پر صحابہ میں منادی کراتے کہ ہمارے پاس اس قسم کا مقدمہ اور مسئلہ پیش ہے کیا آپ صاحبوں کو اس کے متعلق آنحضرت صلعم کا کوئی فیصلہ معلوم ہے؟ بعض وقت ایسا بھی ہوا کہ لوگ خود حاضر ہو جاتے اور آپ سے علم نبوی بیان کرتے اور اس کو سن کر حضرت صدیق اکبرؓ خدا کا شکر کرتے کہ ہم میں رسول اللہ صلعم کی باتوں کے یاد رکھنے والے موجود ہیں۔ اور اگر اس پر بھی غیر ممکن ہوتا تو صحابہ سے مشورہ لیکر اتفاق آراء سے فیصلہ کردیتے[1]"

جب آنحضرت صلعم کا وصال ہوا تو صحابہ میں اختلاف ہوا کہ آپ کس مقام پر مدفون ہوں؟ حضرت ابوبکرؓ نے حدیث روایت کی کہ میں نے رسول اللہ صلعم کو فرماتے سنا ہے کہ نبی جہاں انتقال کرجائے وہیں دفن کیا جائے۔ آخر اسی پر فیصلہ ہو گیا۔

جب آنحضرت صلعم کے ترکہ کا سوال اٹھا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے محضر صحابہ میں قسم دیکر پوچھا کہ کیا آنحضرت صلعم نے یہ نہیں فرمایا ہے کہ۔ نحن معشر الانبیاء لا نورث۔ ما ترکنا فھو صدقۃ۔ یعنی "ہم انبیاء کی وراثت تقسیم نہیں ہوتا۔ جو کچھ ہم چھوڑیں وہ عام امت کے لیے صدقہ ہے"؟ سب نے اس کی تصدیق کی اور اسی پر فیصلہ ہوا۔ سب نے بالاتفاق کہا ہاں۔ سقیفہ بنی ساعدہ کا واقعہ بھی مشہور ہے

[1] دارمی شریف۔

اس میں بھی جب حدیث نبوی بیان کی گئی تو سارا معاملہ ختم ہو گیا۔

حضرت عمر فاروقؓ کی عظیم الشان حکومت و خلافت سے کون ناواقف ہے جس میں فتوحات کی کثرت وغیرہ نے سیکڑوں نت نئے مسئلے پیدا کر دیے تھے۔ آپ بھی حضرت ابوبکر کی طرح مجمع عام میں پکار کر کہتے کہ اس مسئلہ کے بارے میں کوئی حدیث رسول اللہ صلعم کسی کو معلوم ہے؟ چنانچہ تکبیر جنازہ، غسل جنابت، جزیہ مجوس، طاعون، خبر حمل بن مالک فی ایجاب الغرة فی الجنین، اور خبر الضحاک بن سفیان فی التوریث المرأة من دیة زوجہا، اور خبر عمرو بن حزم فی دیة الاصابع، اور خبر سعد بن ابی وقاص فی المسح علی الخفین وغیرہ کے متعلق آپ کے فیصلے کتب حدیث کے اندر اسناد صحیح کے ساتھ موجود ہیں۔ جب حضرت ابوبکرؓ نے مانعین زکوٰۃ سے جہاد کرنا چاہا تو حضرت عمرؓ نے حدیث ذیل کو پڑھ کر اعتراض کر دیا "کیف تقاتل الناس وقد قال رسول اللہ صلعم امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا الٰہ الا اللہ" ان واقعات سے یہ بات بلا تردد و تذبذب ثابت ہے کہ صحابہ میں احادیث نبوی کو حجت شرعی ماننے پر اجماع رہا ہے اور اس کے موسس حضرات شیخینؓ تھے۔ پھر دیگر خلفاء و صحابہ نے اسے وہی نوعیت دی جبکی حدیث نبوی شایاں تھی۔ حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ عام صحابہ کو مخاطب کر کے حدیث رسول اللہ صلعم روایت کرتے تھے۔ ان واقعات پر توجہ کرو اور حضرت ابوبکرؓ کا یہ فقرہ ہمیشہ سامنے رکھو کہ جب آپ کو حدیث سے کوئی حکم سنایا جاتا تو آپ فرماتے کہ "الحمد للہ الذی جعل فینا من یحفظ علینا دیننا۔[1]" "ہر طرح کی حمد اس اللہ کے لیے ہے جس نے دین کی حفاظت کرنیوالے ہمارے اندر پیدا کر دیے ہیں"۔ بتاؤ حدیث کو دین کہنا کس کی زبان سے ارشاد ہوا ہے؟

بخاری میں یہ واقعہ موجود ہے کہ ابن شہاب فرماتے ہیں کہ مجھے سالم نے خبر دی کہ عبداللہ بن عمرؓ نے کہا کہ میں رسول اللہ صلعم کے عہد میں یہ جانتا تھا کہ زمین کرایہ پر دی جاسکتی ہے۔ پھر رافع

[1] دارمی شریف

بن خدیج) کی روایت کی بنا پر ڈر اکہ مبادا رسول اللہ نے کچھ اس باب میں فرمایا ہو اور مجھے علم نہ ہو۔ اس خیال کے آتے ہی عبداللہ بن عمرؓ نے زمین کرایہ پر دینا چھوڑ دی ہے۔ دیکھیے حضرت عبداللہ بن عمرؓ خاص صحابی ہیں جو آنحضرت کے عہد میں، حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں، حضرت عمرؓ کے عہد میں، حضرت عثمان کے عہد میں حتیٰ کہ حضرت امیر معاویہ کے عہد امارت میں بھی کچھ عرصہ تک ایک کام کرتے ہیں۔ لیکن جب رافع بن خدیجؓ کی حدیث ان کو پہنچی ہے تو تحقیق ہو جانے پر اس کام کو چھوڑ دیتے ہیں۔ اگر احادیث صرف تاریخی درجہ رکھتی تھیں تو عبداللہ بن عمرؓ نے کیوں ایک پر منفعت کام کو چھوڑ دیا؟ یہ حدیث کی دینی و مذہبی حیثیت تھی جس نے انہیں مجبور کر دیا تھا۔

حضرت معاذ بن جبل کا واقعہ کتب حدیث میں خاص اہمیت رکھتا ہے۔ حضورؐ نے ان کو ایک خدمت پر بھیجتے ہوئے دریافت فرمایا کہ تم کس طرح کام کرو گے؟ انہوں نے جواب دیا کہ پہلے قرآن میں نظر کرونگا۔ پھر آپ کے قول و عمل کو دیکھونگا، پھر اجتہاد کرونگا۔ آنحضرت صلعم نے یہ جواب سن کر اس پر اظہار مسرت کیا۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ حدیث کے حجت شرعی ہونے کی تصدیق خود اللہ کے رسول نے کر دی۔

(باقی)

کیا آپکے بچے جانتے ہیں؟

کہ رسولؐ پاک کون تھے؟
رسولؐ پاک کیسے تھے؟
رسولؐ پاک نے کیا سکھایا ہے؟
رسولؐ پاک کا پیام کیا ہے؟
رسولؐ پاک کے پیام نے کیا کر دکھایا؟

اگر یہ باتیں نہیں جانتے ہیں تو مندرجہ ذیل دو کتابیں اپنے بچوں کو پڑھنے کے لیے دیجیے۔

۱- رسولؐ پاک
۲- قرآن پاک

صدر دفتر- مکتبہ جامعہ نئی دھلی
شاخیں- دہلی - لاہور- لکھنؤ- بمبئی